Fikr-o-Nasar (Islamabad) 6:9 (1969)

شبیر احمد خان غوری

حدیث "لا تسبوا الدھر"

اپنے صحیح پس منظر میں

(۴) مفکرین اسلام اور زمانہ کا تصور

باینہمہ اختلاف روایات علمائے اسلام میں "دھر" اور "انا الدھر" کا مفہوم متعین تھا۔ اسلامی فکر کے نمائندے چار تھے:-

(ا) اللہ کی کتاب کو سمجھنے والے یعنی "مفسرین"

(ب) اللہ کے رسول کے ارشادات کو سمجھنے والے یعنی "محدثین"

(ج) اسلام کے ضابطہ حیات کی تدوین کرنے والے یعنی "فقہاء" اور

(د) اسلامی تعلیمات کی غیر اسلامی تصورات سے حفاظت کرنے والے یعنی "متکلمین"۔

اور یہ چاروں گروہ زمانہ کی متالہانہ عظمت کے انکار میں ہم زبان و متفق اللسان تھے۔ چنانچہ اس باب میں صدر اسلام سے چوتھی صدی ہجری تک (اور اسی طرح علمائے اسلام میں آج تک) اسلامی فکر کا رجحان حسب ذیل تھا۔

(الف) مفسرین | چوتھی صدی کے مفسرین میں گل سرسبد امام ابن جریر طبری (المتوفی ۳۱۰ھ) ہیں۔ ان کی تفسیر اسلام کی ابتدائی تین چار سو سال کی قرآن فہمی کی مساعی کا مخزن ہے اور اسی وجہ سے بعد کے مفسرین کی تفسیری کاوشوں میں اس نے نجم ہدایت کا کام کیا ہے! امام ابن جریر نے آیہ کریمہ "وقالوا ما ھی الا حیاتنا... الخ" کی تفسیر کے سلسلے میں لکھا ہے کہ اس کا پہلا جز مشرکین عرب کا قول تھا:-

"عن قتادہ: وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا ای لعمری ھذا قول مشرکی العرب۔"

"وقالوا ما ھی الا حیاتنا الدنیا" کی تفسیر میں قتادہؒ سے مروی ہے کہ یقیناً یہ مشرکین عرب کا قول تھا۔

(تفسیر ابن جریر طبری مطبوعہ میمنیہ مصر الجزء الخامس والعشرون صفحہ ۸۳)

قرآن ان کے عقیدۂ فاسد کو نقل کرتا ہے: مشرکین کہا کرتے تھے کہ انہیں صرف گردش ایام اور طول عمر ہی ہلاک کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا کوئی رب نہیں ہے جو انہیں فنا کرے اور مارے۔ امام ابن جریرؒ کہتے ہیں :۔

"یقول تعالیٰ ذکرہ مخبرا عن ھؤلاء المشرکین انھم قالوا: ومایھلکنا الامرّ اللیالی والایام وطول العمر انکاراً منھم ان یکون لھم رب یفنیھم ویھلکھم۔" (ایضاً صد ۸۴)

اس کے بعد انھوں نے "الدھر" کی تاویل کے سلسلے میں مجاہد اور قتادہ کے اقوال نقل کئے ہیں جو قرآن کی تفسیر کے سلسلے میں سند سمجھے جاتے ہیں :۔

" عن مجاھد : ومایھلکنا الا الدھر۔ قال: الزمان۔ عن قتادۃ فی قولہ : ومایھلکنا الا الدھر۔ قال ذلک مشرکو قریش: ومایھلکنا الا الدھر، الا العمر۔"

" ومایھلکنا " کی تفسیر میں مجاہد سے مروی ہے، وہ فرماتے تھے: "دہر" کے معنی ہیں "زمانہ"۔ اسی طرح اس کی تفسیر میں قتادہ سے مروی ہے، وہ فرماتے تھے کہ یہ مشرکین قریش کا قول ہے اور "مایھلکنا الا الدھر" کے معنی ہیں "ہمیں ہلاک نہیں کرتی ہے مگر عمر"۔

(تفسیر ابن جریر طبری : الجزء الخامس والعشرون صفحہ ۸۴)

غرض دہر کا اعتقاد فاسد اور حوادث کائنات کو زمانہ کی گردش کا نتیجہ سمجھنے کا عقیدہ باطلہ مشرکین عرب کا قول تھا نہ کہ اہل ایمان کا، چنانچہ امام ابن جریر نے اس کی تصریح کر دی ہے :۔

" وذکر ان ھذہ الآیۃ نزلت من اجل أنّ اھل الشرک کانوا یقولون الذی یھلکنا و یفنینا الدھر والزمان ثم یسبون ما یفنیھم و یھلکھم وھم یرون انھم یسبون بذلک الدھر والزمان۔ فقال اللہ عزوجل لھم انا الذی افنیکم واھلککم لا الدھر والزمان ولا علم لکم بذلک۔"

قتادہ نے ذکر کیا کہ اس آیت کا نزول اس وجہ سے ہوا کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ جو ذات ہمیں ہلاک کرتی ہے وہ "دہر" اور زمانہ ہے۔ پھر جو انہیں فنا یا ہلاک کرتا ہے، اسے گالی دیتے اور یہ سمجھتے کہ اس طرح وہ دہر اور زمانہ کو گالی دے رہے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں ہی وہ ہوں جو تمہیں فنا اور ہلاک کرتا ہوں۔ یہ نہیں ہے کہ دہر اور زمانہ تمہیں مٹاتے ہوں۔ اور تمہیں اس کا کوئی علم نہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری : الجزء الخامس والعشرون صفحہ ۸۴)

اس کے بعد انھوں نے حدیث " لا تسبوا الدھر " کو مختلف متون واسانید کے ساتھ نقل کیا ہے۔ بعد ازاں آیہ کریمہ کے بقیہ حصے " وما لھم بذلک من علم ان ھم الا یظنون " کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ قائلین دہر جو کچھ کہتے ہیں انہیں اس کا کوئی یقینی علم نہیں ہے۔ جو کچھ کہتے ہیں صرف اٹکل پچو کہتے ہیں، جس کی اساس نہ وحی الٰہی پر ہے۔

نہ دلیل عقلی پر:۔

"یقول تعالیٰ ذکرہ وما لھؤلاء المشرکین القائلین: ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر بما یقولون من علم: یعنی من یقین علم لانھم یقولون ذلک تخرصاً بغیر خبر اتاھم من اللہ ولا برھان عندھم بحقیقتہ۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر" کے قائل مشرکوں کے پاس اپنے قول کی تائید میں کوئی یقینی علم نہیں ہے، کیونکہ یہ جو کچھ کہتے ہیں، اٹکل پچو کہتے ہیں بغیر کسی ایسی خبر کے جو اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہو اور بغیر کسی برھان وصحت حقیقی کے جو حقیقتاً اُن کے پاس ہو۔

(تفسیر ابن جریر طبری الجزء ۲۵ صفحہ ۸۴)

آخر میں موقف قرآنی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ سب کچھ ان کا ظن فاسد ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اس باب میں وہ گرداب حیرت میں پھنسے ہوئے ہیں اور جو کچھ زبان سے کہتے ہیں اس کی حقیقت کی تلاش میں سرگرداں اور متحیر ہیں:۔

"یقول جل ثناءہ ما ھم الا فی ظن ذلک وشک یخبر عنھم انھم فی حیرۃ من اعتقادھم حقیقۃ ما ینطقون من ذلک بالسنتھم۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مشرکین صرف گمان وشک کے عالم میں ہیں۔ وہ ان کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ لوگ جو کچھ اپنی زبان سے کہتے ہیں، اس کی حقیقت کے اعتقاد کے باب میں سرگرداں اور متحیر ہیں۔

(تفسیر ابن جریر طبری: الجزء ۲۵ صفحہ ۸۴)

غرض دہر ہو یا زمانہ، اہل باطل کی توہم پرستی کے تراشے ہوئے اصنام خیالی ہیں جن کا حقیقت میں کوئی وجود ہی نہیں ہے، بلکہ ایک چھلاوا ہے اور چھلاوے کی تعریف یہ ہے کہ اسے کچھ نہ سمجھو تو کچھ بھی نہیں اور اگر "کچھ" سمجھ لو، تو پھر "سبھی کچھ" بن جاتا ہے۔ اس حقیقت کو متکلمین نے کھول کر رکھ دیا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

امام ابن جریر طبری نے چوتھی صدی کے آغاز (۳۱۰ھ) میں وفات پائی۔ لیکن زمانہ اور دہر کے باب میں بعد کے مفسرین کا بھی یہی مسلک رہا۔ چنانچہ امام ابوبکر جصاص رازی (المتوفی ۳۷۰ھ) نے "احکام القرآن" میں اسی موقف کو ملحوظ رکھا ہے۔ اس کی تفصیل "فقہا" کے ذیلی عنوان کے تحت آرہی ہے۔

(ب) محدثین | حضرات محدثین نے "زمانہ" کے متعلق اپنے موقف کا اظہار "حدیث لاتسبوا الدھر" کی تشریح و توضیح کے سلسلے میں کیا۔ یہ حدیث اصلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اصحاب صحاح میں سے امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد اور امام نسائی نے اسے روایت کیا ہے۔ امام نووی کی تصریح کے مطابق یہ حدیث چھ متون کے ساتھ مروی ہے:۔

۱- يسب ابن آدم الدهر وانا الدهر بيدي الليل والنهار

۲- يوذيني ابن آدم يسب الدهر وانا الدهر اقلب الليل والنهار

۳- يوذيني ابن آدم يقول يا خيبة الدهر فلا يقولن احدكم يا خيبة الدهر فاني انا الدهر اقلب ليله والنهاره فاذا شئت قبضتهما۔

۴- لا تسبوا الدهر فان الله هو الدهر۔

۵- لا يقولن احدكم يا خيبة الدهر فان الله هو الدهر۔

۶- لا يسب احدكم الدهر فان الله هو الدهر۔ (شرح صحیح مسلم للامام النووی: جلد ثانی ص۲۳۷)

ان میں سے دوسرا اور تیسرا متن حسب تحقیق امام جصاص رازی صحیح ہیں، مگر چوتھے، پانچویں اور چھٹے متن کی انھوں نے بڑی سختی سے تضعیف بلکہ تغلیط کی ہے (تفصیل آگے آرہی ہے۔)

محدثین میں "انا الدھر" کے "دھر" کے اعراب میں اختلاف ہے۔ مشہور محدث محمد بن داؤد اصفہانی کے نزدیک "دہر" علی سبیل الظرفیت منصوب (بفتح را) ہے، کیونکہ بصورت مرفوع ہونے کے "دہر" اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ٹھہرے گا، چنانچہ امام خطابی نے جو چوتھی صدی ہجری کے فحول محدثین میں سے ہیں، ان سے نقل کیا ہے:۔

"وكان ابن داؤد ينكر رواية اصحاب الحديث هذا الحرف مضمومة ويقول لو كان كذلك، لكان الدهر اسماً معدوداً من اسماء الله عزوجل وكان يرويه وانا الدهر، اقلب الليل والنهار مفتوحة الراء على الظرف:۔ يقول انا طول الدهر والزمان اقلب الليل والنهار"

محمد بن داؤد محدثین کی اس روایت کے جن میں "دہر" کی "ر" پر پیش ہے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر ایسا ہوتا تو "دہر" اسمائے باری میں سے ہوتا۔ وہ بدینطور روایت کرتے تھے:۔ "وانا الدھر اقلب اللیل والنہار"۔ "ر" کے زبر کے ساتھ بر سبیل ظرفیت۔ یعنی "میں ہمیشہ ہوں اور رات دن کو گردش دیتا ہوں"۔

فقہاء محدثین بھی اس باب میں ان کے ہمنوا ہیں۔ اس کی تفصیل "فقہاء" کے ذیلی عنوان کے تحت آرہی ہے۔ لیکن جمہور محدثین "ر" کو مضموم پڑھتے ہیں۔ بہرحال "ر" کے ضمہ کے ساتھ حدیث کا متن متفق علیہ نہیں ہے۔ اور محمد بن داود کا تو صرف یہ احتجاج ہی ہے۔ ابن عبد البر نے بعض اہل علم سے "انا الدھر" کو "ر" کے فتحہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے "شرح صحیح مسلم" میں محمد ابن داؤد اصفہانی کے قول کی تائید میں لکھا ہے:۔

وحكى ابن عبد البر هذه الرواية عن

ابن عبد البرؒ نے اس زبر والی روایت کو بعض اہل علم

بعض اھل العلم" سے نقل کیا ہے۔

غرض "دہر" کا اعراب مختلف فیہ ہے۔ محدثین میں سے محمد ابن داؤد اور فقہاء میں سے امام ابوبکر جصاص رازی "ر" کو مفتوح پڑھتے ہیں اور بعض محدثین مضموم۔ ان میں سے کس کا موقف مرجح ہے، اس کے لئے ہمیں دونوں کے دلائل پر نظر ڈالنا چاہئے۔ "ر" کے فتحہ (زبر) کے قائلین کہتے ہیں کہ اگر اسے مضموم پڑھا جائے گا تو "دھر" جملہ "انا الدھر" میں خبر ہو کر اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہو جائے گا اور یہ چیز نہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور نہ سنت رسول سے۔ یہی نہیں، بلکہ مسلمانوں میں سے کسی نے آج تک اللہ تعالیٰ کو "دہر" کے نام سے موسوم نہیں کیا۔ اندریں حالات یہ احداث فی الدین ہوگا، جو بہر حال روح اسلام کے منافی ہے۔

اس کے مقابلے میں "ر" کے ضمہ (پیش) کے قائلین کے پاس جو دلیل ہے، اسے امام نووی نے اس طرح نقل کیا ہے:۔

"واما روایۃ الرفع وھی الصواب فموافقۃ لقولہ: فان اللہ ھو الدھر"۔ (شرح صحیح مسلم جلد ثانی صفحہ ۲۳۷)	رفع والی روایت ہی ٹھیک ہے بوجہ "فان اللہ ھو الدھر" کے ساتھ موافقت کے۔

یعنی چاروں متون حدیث میں موافقت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تین متون میں بھی "دہر" کے "ر" کو مضموم پڑھا جائے لیکن یہ دلیل زیادہ وزنی نہیں ہے۔ اس میں وزن اس وقت ہوتا، جب کہ چاروں متنوں کی صحت پر علمائے محدثین میں اتفاق ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ ہم فقہاء کے ذیلی عنوان میں دیکھیں گے کہ امام ابوبکر جصاص رازی جو فقیہ ہونے کے علاوہ حدیث کی پرکھ میں بھی محدثین کے درمیان امتیازی مقام رکھتے ہیں، وہ چوتھے متن

"لاتسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر"

کے رواۃ کی غیر مبہم الفاظ میں تغلیط کرتے ہیں۔ لہذا جب چوتھا متن ھی من کل الوجود مسلم نہیں ہے تو پھر اس کی موافقت کی خاطر ایسے موقف کو اختیار کرنا، جس میں ایک بہت بڑا مفسدہ (زمانہ پرستی کا شرک) مضمر ہے کوئی پسندیدہ امر نہ ہوگا۔

اس جوابی دلیل کا جواب جمہور محدثین کے پاس یہ ہے کہ یہ اسلوب بیان مجازی ہے یعنی "دہر" مضاف الیہ کا مضاف حذف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ امام نوویؒ نے "رفع" والی روایت کی تصویب کے فوراً بعد لکھا ہے:۔

"وقال العلماء وھو مجاز"۔ (شرح صحیح مسلم: ۲: ۲۳۷)	علماء نے فرمایا ہے کہ یہ مجازاً ہے۔

غرض عام محدثین بھی جو "ر" کو مضموم پڑھتے ہیں، وہ "دہر" کو "انا" کی خبر نہیں بتاتے، بلکہ کہتے ہیں کہ "انا" کی خبر "صاحب" یا "منصرف" ہے، جو محذوف ہے اور اس کا اعراب مضاف الیہ "دہر" کو دے دیا گیا ہے۔

بہر حال "انا الدھر" کے "ر" کو مضموم پڑھا جائے یا مفتوح، تمام محدثین کے نزدیک بلا کسی استثناء کے اس کے معنی ہیں: "میں زمانہ کا مالک ہوں" یا "زمانہ کی تدبیر کرنے والا ہوں" یا "زمانہ پر تصرف و اختیار رکھنے والا ہوں"۔ چوتھی صدی ہجری تک حدیث "لا تسبّوا الدھر" کی یہ تاویل متفق علیہ تھی، چنانچہ امام خطابیؒ (المتوفی ۳۸۸ھ) نے جو اپنے عہد کے مشاہیر محدثین میں سے ہیں اور اس حیثیت سے چوتھی صدی کے محدثین کے نمائندے سمجھے جا سکتے ہیں "سنن ابی داؤد" کی شرح "معالم السنن" میں حدیث "لا تسبوا الدھر" کی تاویل میں فرمایا ہے:-

"قال الشیخ: تاویل ھذا الکلام ان العرب انما یسبون الدھر علی انہ ھو الملم بھم فی المصائب والمکارہ ویضیفون الفعل فیھا ینالھم منھا الیہ ثم یسبون فاعلھا فرجع السب فی ذلک الی اللہ سبحانہ اذ ھو الفاعل لھا۔ فقیل علی ذلک لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر ای ان اللہ ھو الفاعل لھذہ الامور التی تضیفونھا الی الدھر۔"

شیخ نے فرمایا ہے: اس کلام کی تفسیر یہ ہے کہ اہل عرب دہر کو گالی دیا کرتے تھے کہ وہی ان پر مصائب و تکالیف نازل کرتا ہے اور جو تکلیف انہیں پہنچتی اسے اس کی طرف منسوب کرتے۔ پھر اس کے فاعل کو گالی دیتے۔ اس صورت میں گالی اللہ تبارک و تعالیٰ ہی طرف لوٹتی، کیونکہ وہی ان مصائب و حوادث کا فاعل ہے۔ اس پر کہا گیا کہ "لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر" یعنی اللہ تعالیٰ ہی ان امور کا فاعل ہے جنہیں تم دہر کی طرف منسوب کرتے ہو۔

اس کے بعد محمد بن داؤد ظاہری کے اختلاف (یعنی الدھر کا "ر" مفتوح ہے نہ کہ مضموم) کو نقل کرنے کے بعد اپنی بیان کردہ تاویل کی تصویب کی ہے۔

"والمعنی الاول ھو وجہ الحدیث۔" اور حدیث کی توجیہ وہی پہلے معنی ہیں۔

امام خطابی کے ایک معاصر حسن بن منیر التنوخی تھے۔ ان سے بھی یہی تاویل مروی ہے:-

"قال اللہ تبارک وتعالی: یوذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنہار قال: وکان اھل الجاھلیۃ یقولون لیس یھلکنا الا الدھر اللیالی والایام فیسبون الایام واللیالی فیسبون الدھر۔ فقال اللہ تعالی حکایۃ عنھم: ما ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر۔"

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، وہ دہر کو گالی دیتا ہے حالانکہ میں ہی (مقلّب و مصرّف) دہر ہوں، میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے، میں ہی رات دن کو گردش دیتا ہوں۔ فرمایا: اہل الجاہلیت کا کہنا تھا کہ ہمیں ہلاک نہیں کرتا ہے مگر دہر یعنی لیالی و ایام: پس وہ ایام ولیالی کو گالی دیتے اور اس طرح دہر کو گالی دیتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا: ماھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یھلکنا الا الدھر۔"

غرض چوتھی صدی ہجری میں بلاکسی استثنا کے تمام محدثین کا یہی مسلک تھا۔ بعد میں بھی عامہ اہل حدیث کا یہی مسلک رہا چنانچہ امام نووی نے "شرح صحیح مسلم" میں لکھا ہے :۔

"وسببه ان العرب کان شانها ان تسب الدھر عند النوازل والحوادث والمصائب النازلة بها من موت او ھرم او تلف مال او غیر ذلك فیقولون یا خیبة الدھر ونحو ھذا من الفاظ سب الدھر فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم : لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر ای لا تسبوا فاعل النوازل فانکم اذا سببتم فاعلها وقع السب علی اللہ تعالیٰ لانه ھو فاعلها ومنزلها۔" (شرح صحیح مسلم للامام النووی : جلد ثانی صفحہ ۲۳۷)

اور اس کا سبب یہ ہے کہ عربوں کا دستور تھا کہ وہ مصائب وحوادث کے وقت (مثلاً موت بڑھاپا یا مال کی بربادی وغیرہ کے موقعہ پر) دہر کو گالی دیتے اور کہتے "یا خیبة الدھر" اور اسی طرح کی دوسری گالیاں۔ اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر" یعنی ان مصیبتوں کے نازل کرنے والے کو گالی مت دو کیونکہ جب تم اس کے فاعل کو گالی دوگے تو وہ گالی اللہ تعالیٰ پر پڑے گی کیونکہ وہی ان مصیبتوں کا فاعل ہے اور وہی ان کا نازل کرنے والا ہے۔

بہر حال محدثین کے نزدیک نہ تو اللہ دہر ہے نہ دہر اللہ ہے اور نہ دہر یا زمانہ کو حوادث کائنات میں کوئی دخل ہے۔ امام نووی نے اس آخری بات کو بھی صاف کر دیا ہے۔ یعنی باوجود لفظی اختلافات کے علمائے محدثین بلاکسی استثناء کے زمانہ یا دہر کو حوادث کائنات میں غیر مؤثر مانتے ہیں :۔

"واما الدھر الذی ھو الزمان فلا فعل له بل ھو مخلوق من جملة خلق اللہ تعالیٰ۔" (ایضاً صفحہ ۲۳۷)

رہا دہر جو زمانہ ہے تو اس کا کوئی فعل نہیں ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کی منجملہ دیگر مخلوقات کے ایک مخلوق ہے۔

اور اگرچہ چوتھے متن میں بظاہر مبتدا اور خبر کے ربط کی تاکید معلوم ہوتی ہے، مگر "فان اللہ ھو الدھر" میں "دہر" خبر نہیں ہے، بلکہ خبر محذوف کا مضاف الیہ ہے۔ چنانچہ امام نووی نے اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا ہے :۔

"ومعنی فان اللہ ھو الدھر ای فاعل النوازل والحوادث وخالق الکائنات۔" (ایضاً صفحہ ۲۳۷)

اور "فان اللہ ھو الدھر" کے معنی ہیں، مصائب وحوادث کا فاعل اور کائنات کا خالق۔

(ج) فقہاء | فقہاء کرام کے مسلک کی نمائندگی امام ابوبکر جصاص الرازی نے کی ہے! انھوں نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی تھی۔ لہذا ان کی تصریحات سے چوتھی صدی ہجری تک زمانہ کے باب میں فقہاء کے موقف کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

الف : انھوں نے آیہ کریمہ کے متعلق لکھا ہے کہ یہ زنادقہ قریش کے قول کی حکایت ہے، جو خدائے تعالیٰ کے منکر تھے اور زمانہ اور مرور روزگار ہی کو حوادث کائنات کی علت سمجھتے تھے :۔

قال ابوبکر هذا قول زنادقة قریش الذین ینکرون الصانع الحکیم وان الزمان مضی الاوقات هو الذی یحدث هذہ الحوادث۔"

ابوبکر جصاص رازی کا کہنا ہے کہ "ومایھلکنا الا الدھر" قریش کے ان زندیقوں کا قول ہے جو صانع عالم (اللہ تعالیٰ) کے وجود کے منکر تھے اور اس بات کے قائل تھے کہ زمانہ اور وقت کا گزرنا ہی ان حوادث کو پیدا کرتا ہے۔

(احکام القرآن للامام ابی بکر الجصاص الرازی جلد ثالث ص۳۷۴)

ب: "دھر" سے مراد ان کے نزدیک "زمانِ عمر" ہے۔

"والدھر اسم یقع علی زمان العمر کما قال قتادہ۔" (ایضاً صفحہ ۳۷۹)

دھر ایک اسم ہے جس کا اطلاق زمان عمر پر ہوتا ہے جیسا کہ قتادہ نے کہا ہے۔

ج: حدیث "لاتسبّوا الدھر" کی تاویل ان کے نزدیک یہ ہے کہ اہل جاہلیہ حوادث و مصائب کو دھر کی جانب منسوب کرتے تھے اور پھر اسے گالی دیتے تھے، تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان چیزوں کے فاعل کو گالی مت دو، کیونکہ ان کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے:۔

"تاولہ اھل العلم علی ان اھل الجاھلیۃ کانوا ینسبون الحوادث المجحفۃ والبلایا النازلۃ والمصائب المتلفۃ الی الدھر فیقولون فعل الدھر بنا وصنع بنا و یسبون الدھر کما قد جرت عادۃ کثیر من الناس بان یقولوا اسأنا الدھر ونحو ذلک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاتسبّوا فاعل ھذہ الامور، فان اللہ ھو فاعلھا ومحدثھا۔" (ایضاً صفحہ ۳۷۹)

اہل علم نے اس کی مدبنیطور تاویل کی ہے کہ اہل جاہلیۃ حوادث و بلایا اور مصائب کو دھر کی طرف منسوب کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ دھر نے ہمارے ساتھ ایسا ایسا کیا اور پھر دھر کو گالی دیا کرتے تھے، جیسا کہ بہت سے لوگوں کی یہ کہنے کی عادت ہوتی ہے کہ ہمارے ساتھ دھر نے یہ بُرائی کی وغیرہ وغیرہ۔ تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان امور کے فاعل کو گالی مت دو کیونکہ ان کا فاعل اور پیدا کرنے والا اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔

د۔ اس کے بعد حدیث "لاتسبّوا الدھر" کے متون نقل کئے ہیں۔ امام نووی کے نقل کردہ متون نمبر ۲ و نمبر ۳ یعنی "انا الدھر" اور "فانی انا الدھر" کو صحیح بتایا ہے۔

"فھذا ن ھما اصل الحدیث فی ذلک والمعنی ما ذکرناہ۔" (ایضاً صفحہ ۳۷۹)

اور اس باب میں حدیث کی اصل یہی دو ستون ہیں اور معنی وہی ہیں جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔

اور امام نووی کے بیان کردہ چوتھے متن "فان اللہ ھو الدھر" کی تضعیف اور اس کے رواۃ کی تغلیط کی ہے:۔

"وانما غلط بعض الرواۃ فنقل المعنی عندہ فقال:

اور بعض راویوں نے غلطی کی ہے اور اس کے معنی کو بدل دیا اور

لا تسبّوا الدھر فان اللہ ھو الدھر"۔ کہا: "لا تسبّوا الدھر فان اللہ ھو الدھر"۔

۸۔ "انا الدھر" کے اعراب کے باب میں وہ محدث محمد بن داؤد اصفہانی کی طرح "دہر" کے منصوب علی سبیل الظرفیہ ہونے کے قائل ہیں:۔

"وانا الدھر" منصوب بانہ ظرف الفعل کقولہ تعالیٰ انا ابداً بیدی الامر اقلب اللیل والنھار وکقول القائل: انا الیوم بیدی الامر افعل کذا وکذا۔" اور "انا الدھر" منصوب ہے کیونکہ یہ ظرف فعل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "انا ابداً" میں ہمیشہ ہوں، میرے ہی ہاتھ میں اختیار و تصرف ہے، میں ہی لیل و نہار کو گردش دیتا ہوں یا جیسے کہنے والے کا قول کہ آج کے دن میں ہی ہوں، میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے میں ایسا اور ایسا کروں گا۔ (احکام القرآن للجصاص الرازی جلد ثالث ص ۴۷۹)

۹۔ اس سلسلے میں ان کی آخری تصریح یہ ہے کہ "دہر" اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے نہیں ہے (جیسا کہ بعد کے منصرفین و حکمائے متاخرین نے وہم تراشی کی ہے) اور یہ صرف امام جصاص رازی ہی کا قول نہیں ہے، بلکہ انھوں نے غیر مبہم طور پر صراحت کی ہے کہ ان کے زمانہ (چوتھی صدی ہجری) تک علمائے اسلام میں سے کوئی شخص اس بات کا قائل نہیں تھا:۔

"ولو کان مرفوعاً کان الدھر اسماً للہ تعالیٰ ولیس کذلك لان احداً من المسلمین لا یسمی اللہ بھذا الاسم۔" اور اگر دہر مرفوع ہوتا (ر پر پیش ہوتا) تو وہ اسمائے باری میں سے ہوتا۔ مگر ایسا نہیں ہے، کیونکہ مسلمانوں میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو اس نام سے موسوم نہیں کرتا۔

(احکام القرآن للجصاص الرازی جلد ثالث صفحہ ۴۷۹)

د۔ متکلمین | علمائے اسلام کی چوتھی جماعت متکلمین کی ہے۔ انھوں نے فلاسفہ کے تفلسف اور زنادقہ و ملاحدہ کے زندقہ و الحاد کا مقابلہ کیا۔ شروع میں انھوں نے زمانہ کے متعلق مابعد الطبیعیاتی بحث میں داخل ہونے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ صرف اس کے عملی (PRAGMATIC) پہلو پر زور دیا۔ چنانچہ دوسری صدی ہجری میں حسب تصریح امام ابوالحسن الاشعری، ابوالہذیل العلاف (۱۳۵-۲۳۵) کا خیال تھا کہ

"الوقت ھو الفرق بین الاعمال وھو مدی ما بین عمل الی عمل۔" وقت مختلف اعمال کے درمیان کا فرق ہے اور وہ ایک کام سے دوسرے کام تک کی مدّت ہے۔

(مقالات اسلامیین للامام ابی الحسن الاشعری جلد ثانی صفحہ ۴۴۲)

یا آج کل کی اصطلاح میں $T = t_2 - t_1$

بعد کے لوگوں نے بھی اسی عملی نقطۂ نظر کے ساتھ اعتناء کیا، چنانچہ امام اشعری نے "مقالات الاسلامیین" میں

زمانہ کے باب میں متکلمین کا یہ دوسرا قول نقل کیا ہے :۔

" الوقت ما توقتہ للشیٔ۔" وقت وہ ہے جو تو کسی بات کے لئے مقرر کر دے۔

تیسری صدی کے نصف آخر میں چونکہ رأس المتکلمین ابو علی الجبائی کا رجحان نجوم کی جانب تھا، اس لئے وہ زمانہ کی حقیقت "حرکات افلاک" کو قرار دیتا تھا۔

" وزعموا ان الاوقات ھی حرکات الفلک لان اللہ عز وجل وقتھا للاشیاء۔ ھذا قول الجبائیؒ۔" (مقالات الاسلامیین جلد ثانی ص۴۴۳) اور کچھ لوگوں نے گمان کیا کہ وقت کی حقیقت حرکات فلک ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں چیزوں کی وقت شماری کے لئے مقرر کیا ہے۔ یہ ابو علی الجبائیؒ کا قول ہے۔

لیکن اس قول کو عام متکلمین میں قبول عام نصیب نہ ہو سکا۔

چوتھی صدی ہجری کے آغاز میں امام ابو الحسن الاشعری نے اپنے معتزلی استاد ابو علی الجبائیؒ سے علیحدہ ہو کر سنی (اشعری) علم کلام کی بنیاد ڈالی مگر زمانہ کے باب میں انھوں نے قدیم متکلمین ہی کے عملی (PRAGMATIC) نقطہ نظر کی پیروی کی۔ چنانچہ حقیقت زمانہ کے سلسلے میں اشاعرہ کے قول کے متعلق "شرح المواقف" میں لکھا ہے :۔

" وخامسھا لخامس المذاھب فی حقیقۃ الزمان مذھب الاشاعرۃ وھو انہ متجدد معلوم یقدر بہ متجدد مبھم۔" ان میں سے پانچواں یعنی حقیقت زمانہ کے باب میں پانچواں مذہب اشاعرہ کا ہے۔ اس کی رو سے زمانہ ایک معلوم الوقت متجدد ہے جس سے دوسرے مبہم (مجہول) متجددوں کی پیمائش (تعیین) کی جاتی ہے۔

(شرح المواقف : الموقف الثالث۔ المرصد الثانی۔ المقصد الثانی)

لیکن جب غیر اسلامی افکار کے ہجوم کی وجہ سے اسلامی تفکیر میں قدیم "زروانیت" جدید "حرانیت" (قدماء خمسہ کے قول) کی شکل میں داخل ہوئی ــــــ اور خود زمانہ کا تصور ہی ایسا ہے کہ اس کے وجود کا اقرار (خواہ حدوث ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو) قائل کو اس کے واجب الوجود ماننے پر مجبور کر دیتا ہے ــــــ تو پھر متکلمین نے زیادہ شدید انتہاپسندانہ رائے اختیار کی۔ اب انھوں نے زمانہ کو حادث سمجھنے ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ سرے سے اس کے وجود خارجی ہی کا انکار کر دیا۔ چنانچہ "شرح المواقف" میں ہے :۔

" انھم اعنی المتکلمین ... انکروا ایضاً الزمان۔" انھوں نے یعنی متکلمین نے ... زمانہ کے وجود خارجی کا انکار کیا ہے۔

رہا "دہر" تو وہ اسے ع ہے یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا۔

سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ چنانچہ امام رازی نے "المحصل" میں لکھا ہے :۔

"وھذا التھویل خالٍ عن التحصیل" (المحصل للرازی صد ۹۲) اور یہ مرعوب کن اصطلاح (نیز فلاسفہ کی تدقیق) معنی ومفہوم سے بالکل خالی ہے۔

⑤ حرفِ آخر

اس تفصیل سے واضح ہو گیا ہو گا کہ حدیث "لا تسبّوا الدھر" کے معنی ہیں:۔

" دہر (زمانہ) کو بُرا مت کہو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی مقلب دہر (اور حوادث روزگار کا فاعل) ہے۔"

اور یہی معنی اس ارشاد نبویؐ کے پس منظر نیز اسلام کی بنیادی تعلیم اور کلام عرب کے مسلمہ قواعد کی رو سے بھی مستنبط ہوتے ہیں، لہٰذا اس قسم کے لفظی ترجمے کہ ـــــ " زمانہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ زمانہ ہی خدا ہے۔"

"DO NOT VILIFY TIME FOR TIME IS GOD."

یا اس قسم کی قیاس آرائیاں کہ

"THE PROBLEM OF TIME HAS ALWAYS DREAM THE ATTENTION OF MUSLIM THINKERS AND MYSTICS. THIS SEEMS TO BE DUE ..... TO THE PROPHET'S IDENTIFICATION OF GOD WITH DAHR (TIME) IN A WELL KNOWN TRADITION."

اس عہد کی فکری سرگرمیوں کی تفصیل کو درخورِ اعتنا نہ سمجھنے کا نتیجہ ہیں۔ لہٰذا اس قبیل کے استدلال کا کہ

زندگی دہر است و دہر از زندگی   لا تسبّوا الدھر فرمان نبی

وہن وضعف ظاہر ہے: "لا تسبّوا الدھر" کے فرمان نبی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ مگر زندگی اور دہر کی عینیت نہ منشائے نبوت تھی اور نہ اس خوش فہمی کا اس ارشاد نبویؐ کے مخاطبین اولین اور بعد کے علماء ہی میں پتہ چلتا ہے۔ اس کے برخلاف یہ نکتہ سنجیاں قرآن کی بنیادی تعلیمات کے بالکل منافی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس انداز فکر کا ماخذ جس میں زمانہ کی زبان سے کہلوایا گیا ہے:۔

آدم و فرشتہ در بند من است   عالم شش روزہ فرزند من است
ہر گلے کز شاخ می چینی منم   "اُم ہر چیزے" کہ می بینی منم

تدبر فی القرآن کے بجائے اسپنگلر جیسے جرمن فلاسفہ کی تقلید ہے یا پھر قدیم مجوسیت (زروانیت) کی پیروی ہے۔

چنانچہ حسب تصریح مارٹن ہیگ، یوڈیموس شاگرد ارسطو نے لکھا تھا:۔

"THE MAGI AND THE WHOLE ARYAN NATIONS CONSIDER, AS EUDEMOS WRITES, SOME SPACE, AND OTHERS TIME, AS THE UNIVERSAL CAUSE OUT OF WHICH THE GOOD GOD AS WELL AS THE EVIL SPIRITS WERE SEPARATED."

(MARTIN HAUG: ESSAYS ON THE SACRED LANGUAGE WRITINGS AND RELIGION OF THE PARSIS. P. 12).

بات اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتی۔ اس "تالۂ زمان" اور دہر کو "اُم ہر چیزے" (مبدءِ اوّلین کائنات) ماننے کا عقیدہ ایک جانب دہریت اور لامذہبی کو پیدا کرتا ہے (جس کے متعلق "اسکند گمانیک وژار" کی شہادت مذکور ہو چکی ہے) اور دوسری جانب یہ زروانیت جبر و مقدر پرستی پر منتج ہوتی ہے (جس کے متعلق "دادستان مینوگ خرد" کی شہادت بیان ہو چکی ہے) اور جس کے بارے میں کرسٹن سین نے لکھا ہے:۔

"زروانی عقائد جو ساسانیوں کے عہد میں مروج تھے، اس زمانہ میں جبر کا عقیدہ پیدا کرنے میں ممد ہو رہے تھے، جو قدیم مزدائیت کی روح کے لئے سم قاتل تھا۔ خدائے قدیم زروان جو اہورمزد اور اہرمن کا باپ تھا، نہ صرف زمان نامحدود کا نام تھا، بلکہ تقدیر بھی وہی تھا۔"

ظاہر ہے اسلام جسے اپنے متبعین سے دنیا کی امامت کا کام لینا تھا، انہیں زندانِ تقدیر بنا کر کس طرح مفلوج و بے عمل چھوڑ سکتا تھا۔

اور آخر میں یہ نکتہ بھی نظر انداز نہ ہونے پائے کہ ایک مملکت خداداد میں جسے دیگر ممالک کے لئے مقتدا بننا ہے اور جسے عظمت و رفعت کے فلک ہفتم تک سربلند ہونا ہے، ایسی مملکت کے اندر آغاز حال ہی میں جبر و مقدر پرستی کے فلسفہ کے جراثیم کی اشاعت کسی طرح نہ ہونا چاہیئے۔

وما علینا الا البلاغ المبین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔